© rasailojaraid.com

سید عطاء المحسن بخاری

ایک حق گو، درویش منش اور بہادر عالمِ دین

حافظ ارشاد احمد

۱۳ر نومبر ۱۹۹۹ء روزنامہ جنگ کراچی کے اندرونی صفحے پر ایک کالمی خبر پڑھی ''مولانا عطاء المحسن بخاری انتقال کر گئے'' آج انکا جنازہ ڈویژنل سپورٹس گراؤنڈ ملتان میں پڑھایا جائیگا'' سید عطاء المحسن بخاری صاحب سے میں نے کیا سیکھا؟ بچپن میں بخاری خانوادے سے تعارف اپنے بابا جی کے ذریعہ سے ہوا جنھوں نے اتنی بار ''شاہ جی'' (امیر شریعتؒ) کا ذکر کیا کہ حسرت رہی کاش ہم بھی ''شاہ جی'' کو سن سکتے پھر ایک زمانے تک یہ شوق رہا کہ ملتان کے بڑے لوگوں سے جب بھی بات ہوتی تو میں ان سے ''شاہ جی'' کے بارے میں ضرور سوال کرتا پھر خود کو چشم تصور میں، لانگے خان باغ، عام خاص باغ میں لے جاتا اور عالم تصور میں شاہ جی کی تقریر سنتا لیکن ایک روز ایسا ہوا کہ مجھے بیک وقت سید ابومعاویہ ابوذر بخاری اور سید عطاء المحسن شاہ صاحب کی تقاریر سننے کا موقع ملا۔ اور یہ موقع حضرت قاری رحیم بخش صاحب کی وفات کے روز جامعہ خیر المدارس میں منعقدہ تعزیتی جلسے میں ملا۔ پھر جب تک ملتان میں رہا کوشش کرتا رہا کہ دونوں حضرات کی تقاریر سے ضرور مستفید ہوں بچپن سے ہی میں شرمیلا رہا، لہٰذا اس قدر بڑی ہستیوں سے ذاتی تعارف کی میں نے کبھی جرأت نہ کی ابوذر شاہ صاحب کی تقاریر تو گنتی کی سن سکا لیکن عطاء المحسن بخاری صاحب کی تقاریر بہت سنیں رمضان کے آخری عشرے میں جب کہیں ختم قرآن کے موقع پر عطاء المحسن صاحب کی آمد کا علم ہوتا میں پہنچنے کی کوشش کرتا۔ حرم گیٹ کے باہر سی آئی اے سٹاف کی مسجد میں کئی بار ان کا خطاب سنا ایک بار اخبار میں پڑھا کہ عطاء المحسن صاحب نماز جمعہ مسجد نور (اگر میں نام نہیں بھول رہا) کوٹلہ تولے خان نزد سلی خانہ میں پڑھائیں گے یہ شاید ۸۴ء کی بات ہے میں نے چھوٹے بھائی اشفاق کو ہمراہ لیا اور سائیکل چلاتا ہوا پوچھتا پاچھتا مسجد پہنچ گیا میرا خیال تھا کہ عطاء المحسن صاحب کے ہمیشہ کے خطابات کی طرح مسجد کھچا کھچ بھری ہوگی اور ہمیں نہ جانے کہاں جگہ ملے لیکن یہ مسجد بہت چھوٹی سی تھی اور گنتی کے چند افراد موجود تھے عطاء المحسن صاحب ممبر پر بیٹھے اور خطاب شروع کیا۔ وہ ایک عجیب سی تقریر تھی۔ روئے سخن عمومی خطابات کی طرح مجمع (جو شروع میں جیسا کہ میں نے کہا چند افراد پر مشتمل تھا) کی طرف تھا اور جوں ہی کوئی نیا نمازی مسجد میں داخل ہوتا خطاب اس سے شروع ہو جاتا۔ مجھے معلوم نہیں تھا حضرت تمام اہلِ محلہ سے واقف ہیں۔ سرائیکی میں ہر نووارد کے لتے لئے جاتے اور وہ سر جھکائے ہوئے، زیرِ لب مسکراتا ہوا رومال سے منہ چھپاتا ہوا آکر صف میں بیٹھ جاتا۔ حضرت اس بات پر شاکی تھے کہ اہلِ محلہ جمعہ کی نماز میں بروقت کیوں نہیں آرہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں حضرت کے سامنے کوئی بالکل آٹھ دس فٹ کے فاصلے پر بیٹھا تھا۔ ناخن دانتوں سے کترنے کی بچپن کی منحوس عادت زوروں پر تھی اور میں مصروف تھا۔ حضرت نے روئے سخن میری طرف کیا اور ''خوب'' سمجھایا کہ یہ عادت ٹھیک نہیں وہ ایک یادگار جمعہ تھا۔ ہم نے حضرت کو چالیس برس کی عمر کے بعد ہی دیکھا حضرت کے خطاب کا انداز بالکل جداگانہ ہوتا تھا۔ قرآن پڑھنے کا انداز منفرد تھا جس میں پانی پتی اور مصری لہجے گھلے ہوئے ہوتے تھے۔ دورانِ خطاب بر محل تاریخی حوالے لانا، حضرت کا خصوصی شغف اور ذوق تھا۔ جب جوش میں آتے تو پھر مخالف کے دامن اور گریبان کا فاصلہ ختم ہو جاتا تھا اور جب سرائیکی میں بات شروع کرتے تو لڑکے بالے مسکرانے لگتے۔ مبالغہ نہ کروں تو کہہ دوں کہ عطاء المحسن صاحبؒ کے جانے سے، بامحاورہ ملتانی بولنے والا ایک اہم ترین شخص چلا گیا۔ میں یہ خیال کرتا تھا کہ حضرت سرائیکی صرف طنزاً بولتے ہیں۔ جب بھی کسی کی ٹھٹھا اڑانا ہوتو وہ سرائیکی زبان استعمال کرتے تھے۔ ایک بار عرض کرنے کی گستاخی بھی کی لیکن حضرت نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے۔

سالانہ مجالس ذکر حسینؓ کا آغاز تو خانوادۂ بخاری نے بہت پہلے سے کیا ہے۔ لیکن میں نے ان مجالس میں شرکت اپنے سکول کے آخری سالوں سے شروع کی، جہاں ایک مجھ پر کیا موقوف، ملتان کے بے شمار لوگوں نے بلاواسطہ اور پاکستان کے بہت سے لوگوں نے بالواسطہ طور پر ۱۰ محرم کے واقعاتِ کربلا کی وہ تصویر دیکھی جس سے وہ پہلے واقف نہ تھے۔ وہ تو صرف وہی کچھ جانتے ہیں۔ جو انہیں بقول عطاء المحسن صاحبؒ ''محرم الحرامی'' مولویوں نے بتایا تھا۔ حضرت کا انداز بالکل منطقی ہوتا تھا ان کے دلائل سے اختلاف وہی کر سکتا تھا۔ جو نہ ماننے کو مانتا ہو۔ دارِ بنی ہاشم میں چند سو لوگ ہوا کرتے تھے۔ اور باہر پل مردہ خانہ کی طرف دو چار سپاہی ہوتے تھے۔ پھر وہ وقت آیا کہ لوگوں کی تعداد ہزاروں میں چلی گئی پولیس کی نفری کئی گنا بڑھ گئی۔ احرار کے سرخ پوش رضا کار نظر آنے لگے اور اندر آنے والوں کی تلاشی ہونے لگی عام طور پر عطاء المحسن صاحب پر زبان بندی کا نفاذ ہوتا تھا۔ لہٰذا وہ آخر میں صرف ''سوالوں کے جوابات'' دیا کرتے تھے'' اور ہم سیکھتے تھے کہ اپنی بات کس طرح کی جاتی ہے۔ عصر کی نماز کے بعد یہ مجلس ختم ہوتی اور ہم کسی ایک دوست کے ہاں بیٹھ کر عشاء تک اس پر تبصرے کرتے تھے۔

خانوادۂ بخاری نے ملتان میں خصوصاً اور پاکستان میں عموماً عظمت صحابہؓ کی جس طرح نگہبانی کی اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر بھونکنے والے کتوں کا جس طرح منہ بند کیا وہ دربار نبوی میں انکا مقام متعین کرنے کیلئے کافی ہے میں یہ نہیں لکھ سکتا کہ یہ جھینپ ان کا نام زندہ رکھنے کیلئے کافی ہے اس لئے کہ اپنا نام تا قیامت زندہ رکھنے کی انہوں نے کبھی کوشش نہ کی۔ سچ کو کھلا سچ کہہ کر بیان کرنے والا کبھی بھی دنیا میں نام کا خواہش مند نہیں ہوتا جو راہ عطاء المحسن صاحب نے اپنے لئے پسند کی تھی اس پر انہیں معلوم تھا کہ اکیلے چلنا ہوگا۔ تحفظ ختم نبوت، دفاعِ صحابہ اور جدیدیت کے نام پر جاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملحدانہ سرگرمیوں کی بیخ کنی اس باب میں چاہے کسی کے ماتھے پر شکن آئے یا کسی کے دل میں بال۔ لگی لپٹی ان کے مذہب میں حرام تھی انہوں نے ہر اس قوت کی حمایت کی جس نے اسلام کیلئے مثبت کردار ادا کرنے کی کوشش کی لیکن یہ حمایت کبھی غیر مشروط نہ تھی اگر انہی لوگوں پر گرفت کرنا پڑی تو وہ بھی کی یہی وہ رویہ ہے جو ہمارے ہاں ناپید ہو چلا ہے ہم صرف دو خانے بناتے ہیں اگر پسندیدہ ہے تو اس کی ہر چیز ٹھیک اور اگر غلط ہے تو پھر اس کی ہر چیز غلط کاش یہ رویہ بدل سکے۔ عطاء المحسن صاحب (میں یہاں قلم لرزانے والا لاحقہ بھی نہیں لکھوں گے کہ ابھی ہمت نہیں) نے شاید ہی کسی تقریر میں اہل سنت والجماعت کو متحد کرنے کی بات نہ کی ہو لیکن ایسا کبھی نہ ہو سکا میں ان کے حالات سے ہرگز واقف نہیں ایک واقعہ البتہ میری یادوں کے خزانے میں ہیرے کی طرح جگمگا رہا ہے۔ یہ یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور میں طالب علمی شاید ابتدائی برسوں کا ذکر ہے یعنی ۸۶ء یا ۸۷ء کا موسم شدید گرمی کا تھا میں حسبِ معمول ''موسیٰ پاک'' ریل کار سے لاہور جا رہا تھا بوگی میں زیادہ ہجوم نہ تھا میرے سامنے ہی والی سیٹ پر ایک صاحب بیٹھے تھے اور لو کی تمازت سے بچنے کیلئے منہ بھی رومال میں چھپا ہوا تھا۔ سفید تہہ بند باندھا ہوا تھا سر پر کپڑے کی ٹوپی آنکھوں پر عینک مجھے شک ہوا کہ یہ عطاء المحسن صاحب ہیں مگر یقیناً اس لیے نہ آتا تھا کہ وہ اس اکانومی کے ڈبے میں تھے اس زمانے میں لاہور کا کرایہ ۳۰ روپے تھا اور ایئر کنڈیشنڈ پارلر کا کرایہ شاید ۱۰۰ روپے یا ۹۵ روپے تھا عطاء المحسن صاحب جیسے ''مولانا'' اور ''حضرت'' پارلر میں جانا چاہیے تھا یا کم از کم ان کے ساتھ دو چار خدام ہوتے، ایک جائے نماز سنبھالتا، دوسرا وضو کراتا تیسرا سامان کا تھیلا (جو کپڑے ہی کا تھا) اٹھاتا اور چوتھا مصاحبت کیلئے۔ میں پہلے سوچتا رہا پھر ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ آپ عطاء المحسن صاحب ہیں جواب اثبات میں ملا تو میں نے ان کے اس طرح سفر کرنے پر حیرت کا اظہار کیا انہوں نے کہا پارلر کا کرایہ ادا کرنے کی میں سکت نہیں رکھتا اور ساتھ میرے کوئی کیوں جائے میں اپنا کام خود کر سکتا ہوں اور پھر انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں ان مولویوں کی ہلکی سی درگت بنائی جو اس طرح سفر کرتے جس طرح میں سوچتا تھا میرا خوشی سے برا حال تھا۔ عطاء المحسن شاہ صاحب کا اس طرح لاہور تک کا ساتھ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا میرے ذہن میں پہلی بات یہی آئی کہ حضرت کے کھانے کیلئے کچھ لاؤں۔ پلیٹ فارم پر مجھے اپنی دانست اور میری اپنی پسند کے مطابق لیچی ہی نظر آئی، میں نے خرید لی، دھو کر ڈبے میں پہنچا، ڈرتے ڈرتے پیش کی، فرمایا میرے تو دانت ہی نہیں۔ کیسے کھاؤں گا اور پھر تم مجھ سے چھوٹے ہو میں تمہارے لیے کچھ لاؤں تو معیوب نہیں۔ تم لائے ہو تو درست نہیں۔ میں نے کہا لیچی کھانے کیلئے دانتوں کی ضرورت نہیں۔ فرمایا اس قدر مہنگا پھل تو میں خرید ہی نہیں سکتا نہ ہی میں کھاتا ہوں میں جھینپ گیا۔ حضرت نے شاید میرے شدید اصرار پر ایک دانہ لیا اور بس۔ اب میری ایک ہی خواہش تھی کہ کوئی حضرت کا واقف نہ مل جائے اور خواہش پوری ہوئی میں نے جو پوچھنے کی کوشش کی، حضرت نے میری توقع کے خلاف نہایت مختصر جواب دیے اور کسی قسم کی بے تکلفی کو قریب نہ آنے دیا۔ عصر کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت آیا تو جائے نماز سنبھالی اور نماز پڑھ لی۔ میں نے اقتداء کی۔ مغرب میں بھی یہی کچھ ہوا۔ حضرت زیادہ وقت خاموش بیٹھے رہے اور باتیں کی بھی تو عمومی سی میں نے جو کچھ پوچھا اس کا جواب دیا۔ جب لاہور کے قریب پہنچنے لگے تو میں نے سوچا، حضرت کو پیش کش کروں کہ وہ میرے ساتھ یونیورسٹی میں اور ہاسٹل میں قیام شب کریں یقیناً ساتھی (میرا اس زمانے میں تبلیغی جماعت والوں سے تعلق تھا) بہت خوش ہوں گے حضرت نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔ جب گاڑی لاہور پہنچی تو میرا خیال تھا کچھ لوگ استقبال کیلئے آئے ہوں گے لیکن میرا خیال پھر غلط نکلا حضرت گاڑی سے اترے اور اکیلے ہی یہ جاوہ جا۔

''شاہ جی'' (امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ) تو خیر ہماری پیدائش سے پہلے جا چکے تھے۔ سید ابوذر بخاریؒ میری زندگی کے ۳۰ برس تک ملتان میں رہے مگر ہم محروم رہے۔ سید عطاء المحسن بخاریؒ کو شاید میں نے بیسوں بار دیکھا۔ لیکن اپنی روکھی طبیعت کی وجہ سے استفادہ نہ کر سکا بہت دنوں سے دیکھتا تھا کہ نماز وہ بیٹھ کر پڑھتے تھے پھر ان کی اہلیہ محترمہ کا سانحہ وفات پیش آیا کچھ روز بعد سنا کہ وہ علیل ہیں اور لاہور میں ہیں۔ اب کی بار جب ملتان گیا تو ایک روز مغرب کے بعد ذوالکفل بخاری سے ملنے گیا۔ ملاقات بہت مختصر تھی۔ دیکھا کہ شاہ صاحب کمرے میں لیٹے ہوئے ہیں اور بائیں ٹانگ ذرا اونچی کر کے رکھی ہوئی ہے۔ جس پر کچھ پٹیاں بندھی تھیں۔ ذیابیطس کے شکار کسی بھی شخص کے لئے یہ اچھا شگون نہیں ہوتا۔ میں نے اس طرح انہیں پہلی بار دیکھا تھا..... ''ہاں اچ ہتھ پیا''...... لیکن میں نے ذوالکفل بخاری سے کوئی بات نہ پوچھی۔ یہ حضرت کا آخری دیدار تھا۔

سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ نے خود پر کبھی بھی علامیت کا غلاف نہ چڑھایا حالانکہ وہ علامہ تھے۔ عوامی لہجے میں بات کی میں نے کبھی بھی کسی عالم دین کو اس طرح عوامی انداز میں زندگی گزارتے نہیں دیکھا۔ غیر ضروری سنجیدگی اور فاخرانہ متانت ان کے مزاج کا حصہ کبھی نہ بن سکی اہل اقتدار اور دین سے کھچاؤ محسوس کرنے والے طبقات کا ''مکوٹھپنا'' معمول کی بات تھی، اور اس کا ذکر میں نے اس لیے نہیں کیا کہ خانوادۂ بخاری کے افراد سے ہم اس کے علاوہ کسی اور چیز کی توقع کرتے بھی نہ تھے۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں

روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج

مُلّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

''ضربِ کلیم'' (اقبال)

© rasailojaraid.com